

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

تفسیر سوره حمد

تالیف: محسن علی نجفی

سوره حمد

بسم الله الرحمن الرحيم(1)

الْحَمْدُ للّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (2) الرَّحْمـنِ الرَّحِيمِ (3) مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ (4) إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (5) اهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ (6) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ (7)

یہ سورہ قرآن کریم کا افتتاحیہ اور دیباچہ ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک قرآنی سورتوں کے نام توقیفی ہیں یعنی خود رسول کریم (ص) نے بحکم خدا ان کے نام متعین فرمائے ہیں ۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن عہد رسالت مآب (ص) میں ہی کتابی شکل میں مدون ہو چکا تھا، جس کا افتتاحیہ سوره فاتحہ تھا۔ چنانچہ حدیث کے مطابق اس سورے کو فَاتِحَةُ الْکِتَابِ ” کتاب کا افتتاحیہ “ کھا جاتا ہے۔

مقام نزول

سوره حجرمیں ارشاد ہوتا ہے :

( وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ) ۔ (1)

اور بتحقیق ہم نے آپ کو (بار بار) دھرائی جانے والی سات (آیات) اور عظیم قرآن عطا کیا ہے۔

سبع مثانی سے مراد بالاتفاق سوره حمد ہے اور اس بات پر بھی تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوره حجر مکی ہے۔ بنابریں سورہ حمد بھی مکی ہے۔ البتہ بعض کے نزدیک یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

تعداد آیات

تقریبا تمام مفسرین کا اتفا ق ہے کہ سوره حمد سات آیات پر مشتمل ہے لیکن اس بات میں اختلا ف ہے کہ سو رہ حمد کا جزوھے یا نہیں ؟بسم اللّٰہ کو سورے کاجزو سمجھنے والوں کے نزدیک صراط الذینسے آخر تک ایک آیت شمار ہوتی ہے اورجو لوگ اسے جزونھیں سمجھتے وہ ( غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ) کو ایک الگ آیت قراردیتے ہیں ۔

مکتب اہل بیت علیہم السلام میں بسم الله الرحمن الرحيم سوره توبہ کے علاوہ تمام سورتوں کا جزو ہے۔

فضیلت

سورہ فاتحہ کی فضیلت کے لیے یھی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پورے قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

مروی ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین کے ذریعے سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ عليه‌السلام نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فاتحة الکتاب کی آیات میں شامل ہے اور یہ سورہ سات آیات پر مشتمل ہے جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے مکمل ہوتا ہے۔ میں نے رسول خدا (ص) کو یہ فرماتے سنا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عز و جل قَالَ لِیْ: یَا مُحَمد! ” ( وَ لَقَد آتَیْنَاکَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِی وَ الْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ ) “ فَاٴفْرَدَ الْاِمْتِنَانَ عَلَیَّ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَ جَعَلَهَا بِاِزَاءِ الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَ إنَّ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ اَشْرَفُ مَا فِیْ کُنُوْزِ الْعَرْشِ(2)

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے محمد(ص) ! بتحقیق ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ پس اللہ نے مجھے فاتحة الکتاب عنایت کرنے کے احسان کا علیحدہ ذکر فرمایا اور اسے قرآن کا ہم پلہ قرار دیا۔ بے شک فاتحة الکتاب عرش کے خزانوں کی سب سے انمول چیزھے۔

آیت

آیت سے مراد ” نشانی“ ہے۔ قرآن مجید کی ہر آیت مضمون اور اسلوب کے لحاظ سے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اسی لیے اسے آیت کھا گیا ہے ۔

آیات کی حد بندی توقیفی ہے،یعنی رسول خدا (ص) کے فرمان سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک مکمل آیت کتنے الفاظ اورکن عبارا ت پرمشتمل ہے۔ چنانچہ حروف مقطعات مثلاً کھیعص ایک آیت ہے، جب کہ اس کے برابر حروف پر مشتمل حمعسق دو آیتیں شمار ہوتی ہیں ۔

قرآن مجید کی کل آیات چھ ہزار چھ سو (۶۶۰۰) ہیں (3) قرآن مجید کے کل حروف تین لاکھ تئیس ہزار چھ سو اکہتر( ۳۲۳۶۷۱) ہیں ،جب کہ طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت عمر سے مروی ہے : القرآن الف الف حرف یعنی قرآن دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) حروف پر مشتمل ہے۔ (4) بنا بریں موجودہ قرآن سے چھ لاکھ چھہتر ہزار تین سو انتیس (۶۷۶۳۲۹) حروف غائب ہیں ۔

حق تو یہ تھا کہ اس روایت کو خلاف قرآن قرار دے کر رد کر دیا جاتا، مگر علامہ سیوطی فرماتے ہیں :

وَ قَدْ حُمِلَ ذَلِکَ عَلَی مَا نُسِخَ رَسْمُه مِنَ الْقُرْآنِ ایضاً اِذ الْمُْوجُوْدُ اَلْآنَ لاَ یَبْلُغُ هَذَا الْعَدَدَ ۔(5)

روایت کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ یہ حصہ قرآن سے منسوخ الرسم ہوگیا ہے کیونکہ موجودہ قرآن میں اس مقدار کے حروف موجود نہیں ہیں ۔

کتناغیرمعقول موقف ہے کہ قرآن کا دو تہائی منسوخ الرسم ہو جائے اور صرف ایک تہائی باقی رہ جائے؟!

سورہ

قرآن جس طرح اپنے اسلوب بیان میں منفرد ہے، اسی طرح اپنی اصطلاحات میں بھی منفرد ہے۔ قرآن جس ماحول میں نازل ہو اتھا،اس میں دیوان، قصیدہ، بیت اور قافیے جیسی اصطلاحات عام تھیں ، لیکن قرآن ایک ہمہ گیر انقلابی دستور ہونے کے ناطے اپنی خصوصی اصطلاحات کاحامل ہے۔قرآنی ابواب کو ”سورہ“ کا نام دیا گیا، جس کا معنی ہے” بلند منزلت “ ،کیونکہ ہر قرآنی باب نھایت بلند پایہ مضامین پر مشتمل ہے۔

سورہ کا ایک اور معنی فصیل شہر ہے۔ گویا قرآنی مضامین، ہر قسم کے تحریفی خطرات سے محفوظ ایک شہر پناہ کے احاطے میں ہیں ۔

( بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ) ۔

بنام خدائے رحمن و رحیم

تاریخی حیثیت

ایسا معلوم ہوتاہے کہ اللہ کے مبارک نام سے ھرکام کا آغاز و افتتاح الٰہی سنت اور آداب خداوندی میں شامل رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے علم الاسماء سے نوازا گیا۔ حدیث کے مطابق اللہ کی ذات پر دلالت کرنے والے تکوینی اسماء یھی انبیاء و اوصیاء علیہم السلام ہیں ۔

حضرت نوح عليه‌السلام نے کشتی میں سوار ہوتے وقت فرمایا: ( بِسْمِ اللّٰهِ مَجْریها وَ مُرْسٰها ) (6) حضرت سلیمان عليه‌السلام نے ملکہ سبا کے نام اپنے خط کی ابتدا بسم اللہ سے کی: ( اِنَّه مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ) (7)حضرت خاتم الانبیاء (ص) پرجب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو اسم خدا سے آغازکرنے کاحکم ہوا : ( اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ) -(8)

یہ الٰہی اصول ہر قوم اور ہر امت میں رائج ہے:

( وَ لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَامَنْسَکاً لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلیٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ) .(9)

اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک دستور مقرر کیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں عطا کیے ہیں ۔

( وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ) ۔ (10)

اور زیبا ترین نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اسے انھی (اسمائے حسنیٰ) سے پکارو ۔

( وَ اذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلاً ) ۔(11)

اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں ۔

قرآنی حیثیت

اس بات پر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا اجماع ہے کہ جزو سورہ ہے۔ مکہ اور کوفہ کے فقھاء اور امام شافعی کا نظریہ بھی یھی ہے۔ عہد رسالت میں بتواتر ہر سورہ کے ساتھ بسم اللّہ کی تلاوت ہوتی رہی اور سب مسلمانوں کی سیرت یہ رہی ہے کہ سوره برائت کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی ابتدا میں وہ بِسْمِ اللّٰہ کی تلاوت کرتے آئے ہیں ۔ تمام اصحاب و تابعین کے مصاحف میں بِسْمِ اللّٰہ درج تھی، حالانکہ وہ اپنے مصاحف میں غیر قرآنی کلمات درج کرنے میں اتنی احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ قرآنی حروف پر نقطے لگانے سے بھی اجتناب کرتے تھے ۔

عصر معاویہ تک یہ سیرت تواترسے جاری رہی ۔ معاویہ نے ایک بار مدینے میں بِسْمِ اللّٰہ کے بغیر نماز پڑھائی تو مھاجرین و انصار نے احتجاج کیا :

یا معاویه اٴسرقت الصلاة اٴم نسیت اَیْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیْمِ ۔(12)

اے معاویہ! تو نے نماز چوری کی ہے یا بھول گئے ہو۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیْمِ کہاں گئی؟

معاویہ اوراموی حکام نے قرآن سے بِسْمِ اللّٰہ کو حذف کیا، لیکن ان کے مصلحت کوش پیروکاروں نے اسے ترک تو نہیں کیا، مگر آہستہ ضرور پڑھا، حالانکہ قرآن کی تمام سورتوں میں بِسْمِ اللّٰہ کے ایک الگ آیت شمار ہونے پر متعدد احادیث موجو د ہیں :

۱۔ عن طلحہ بن عبید الله قال: قال رسول الله (ص): مَنْ تَرَکَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم فَقَدْ تَرَکَ آیَةً مِنْ کتٰابِ الله (13)

طلحہ بن عبید اللہ راوی ہیں کہ رسول اللہ(ص) نے فرمایا:جس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کو ترک کیا، اس نے قرآن کی ایک آیت ترک کی۔

۲۔ حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ(ص) ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ(ص) پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے عرض کی : یا رسول اللہ (ص) آپ (ص)کس بات پرمسکرا رہے ہیں ؟ فرمایا :

اُنْزِلَتْ عَلَیَّ آنِفَاً سُوْرَةٌ فَقَرَاٴَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔(14)

ابھی ابھی مجھ پر ایک سورہ نازل ہوا ہے۔ پھر پڑھا: ( بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ) ۔ ( اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر ) ۔

۳۔ ابن عمر راوی ہیں کہ ( بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ) ہر سورہ کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ (15)

۴۔حضرت ابن عباس کہتے ہیں :

جب رسول اللہ (ص) کے پاس جبرائیل بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لے کر نازل ہوتے توآپ(ص) کو معلوم ہوجاتاتھاکہ جدید سورہ نازل ہونے والا ہے۔(16)

لیکن بااین ہمہ امام ابوحنیفہ بسم اللہ کو سورہ حمد سمیت کسی بھی قرآنی سورے کا جزو نہیں سمجھتے۔ مزید توضیح کے لیے ملاحظہ ہو القرآن الکریم و روایات المدرستین از علامہ مرتضیٰ عسکری۔

بسم اللہ سوره حمد کی ایک آیت ہے

اس بارے میں متعدد روایات موجود ہیں ۔ جن کے راوی درج ذیل جلیل القدرا صحاب ہیں :

۱۔ ابن عباس کہتے ہیں :

رسو ل اللہ(ص) سورہ حمد کی ابتدا بسم اللہ سے کرتے تھے۔(17)

حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی مشھور ہے:

شیطان نے لوگوں سے قرآن کی سب سے بڑی آیت چرا لی ہے ۔(18)

۲۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں :

رسول اللہ (ص) سوره حمد میں بسم اللہ پڑھتے تھے ۔(19)

۳۔جابر (20)

۴۔ نافع (21)

۵۔ ابوھریرہ

۶۔ انس بن مالک (22)

بسم اللہ کا بالجھر (آواز سے ) پڑھنا

اس بات پر بھی کبار اصحاب کی متعدد روایا ت موجود ہیں کہ رسول اللہ(ص) بسم اللہ کو آوازکے ساتھ پڑھتے تھے۔

۱۔ ابو ھریرہ راوی ہیں :

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: ثم عَلَّمَنِی جِبْرائِیْلُ الصَّلَوةَ فَقَامَ فَکَبَّرَ لنا.

رسول اللہ (ص ) نے فرمایا: جبرئیل نے مجھے نماز سکھائی۔پس وہ کھڑے ہوئے،

ثمَّ قَرَاٴَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْمَا یُجْهَرُ بِهِ فِی کُلِّ رَکْعَةٍ (23)

تکبیر کھی تاکہ اقتداء کی جائے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ہر رکعت میں بالجھر پڑھی۔

۲۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں :

رسو ل اللہ(ص) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو بالجھر پڑھتے تھے۔ (24)

۳۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے :

رسول اللہ (ص)دونوں سورتوں میں کو بالجھر پڑھتے تھے۔(25)

۴۔ ابو ھریرہ کہتے ہیں :

رسول اللہ(ص) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو بالجھرپڑھتے تھے مگر لوگوں نے اسے ترک کر دیا۔ (26)

۵۔ ابو طفیل امام علی بن ابی طالب عليه‌السلام سے روایت کرتے ہیں :

رسو ل اللہ (ص) بسم اللہ کو واجب نمازوں میں بالجھر پڑھتے تھے۔(27)

۶۔ انس بن مالک کہتے ہیں :

میں نے سنا کہ رسول اللہ بسم اللّٰہ کو بالجھر پڑھتے تھے۔ (28)

۷۔ ابن عمر راوی ہیں :

میں نے نبی(ص)،ابوبکر اور عمر کے پیچھے نمازیں پڑھیں ۔وہ سب بسم اللّٰہ کو بالجھر پڑھتے تھے۔(29)

۸۔ انس راوی ہیں :

میں نے نبی(ص) ابوبکر، عمر اور علی علیہ السلام کے پیچھے نمازیں پڑھیں ۔ سب نے بسم اللّٰہ کو بالجھر پڑھا۔ (30)

اس کے علاوہ بہت سے علماء نے بسم اللّٰہ کو بالجھر پڑھنے اور اس کے ضروری ہونے پرخصوصی کتب تالیف کی ہیں مثلاً:

۱۔ کتاب البسملة۔ تالیف :ابن خزیمہ متوفی ۳۱۱ ھ

۲۔ کتاب الجھر بالبسملة۔ تالیف : خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ ھ

۳۔ کتاب الجھر بالبسملة۔ تالیف:ابو سعید بو شیخی متوفی ۵۳۶ ھ

۴۔کتاب الجھر بالبسملة۔ تالیف:جلال الدین محلی شافعی متوفی۸۶۴ھ

ملاحظہ ہو: القرآن و روایات المدرستین

تشریح کلمات

اسم : ( س م و) یہ لفظ اگرسمو سے مشتق ہو تواس کا معنی ”بلندی“ ہے کیونکہ ا سم اپنے معنی کو پردئہ خفا سے منصہ شھود پر لاتا ہے اور اگر و س م سے مشتق ہو تو ”علامت “ کے معنی میں ہے۔

اللّٰه : ( ا ل ہ ) اَ لَهَ یعنی عَبَدَ ۔ الٰہ سے مراد ہے معبود۔ حذف ہمزہ کے بعد ا ل معرفہ داخل کرنے سے اللہ بن گیا ۔یہ اسم ذات ہے جواللہ کی مقدس ذات سے مخصوص ہے۔ هَلْ تَعْلَمُ لَه سَمِیًّا (31) ” کیا اس کا کوئی ہم نام تیرے علم میں ہے۔ “

اَلرَّحْمٰن: ( ر ح م ) رحمت سے صیغہ مبالغہ ہے یعنی نھایت رحم کرنے والا ” مھربان “، جس کی رحمت ھرچیز کو شامل ہو۔یہ لفظ اللہ تعالیٰ کا خصوصی لقب ہے۔

الرَحِیْم: صفت رحم سے متصف ذات جس کی رحمت کثیر ہو۔ یہ ” شریف “ اور ” کریم “ کے وزن پر ہے اور یہ وزن ایسی صفت بیان کرنے کے لیے آتا ہے جو کسی ذات کے لاینفک لوازم میں سے ہو ۔

تفسیر آیات

( بِسْمِ اللّٰهِ )

بسم اللہ میں باء ” استعانت “کے معنی میں ہے یعنی میں سھارا اور مدد لیتاہوں اللہ کے نام سے ۔

اولاً تو لفظ اللّٰہ ہی اسم اعظم ہونے کے اعتبار سے بہت بڑا سھارا ہے۔ ثانیاً اسم سے مراد مسمی ہوتا ہے۔ جیسے ( سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ ) (32) میں نام خدا کی نہیں بلکہ ذات خدا کی تسبیح مراد ہے ۔

قرآن کا ہر سورہ انسانیت کے لیے صحیفہ نجات ہے۔ اس لیے ہر سورے کی ابتدا بسم اللہ سے ہوتی ہے۔ ”اسم“ ذات کی ترجمانی کرتا ہے،کیونکہ اسم اگر قراردادی اور اعتباری ہو تو اس کے لیے مخصوص الفاظ منتخب کیے جاتے ہیں اور اگر تکوینی ہو تو اس مقصد کے لیے مخصوص ذات کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ الفاظ کی شکل میں اسم اعظم بسم اللّٰہ ہے اور ذات کی شکل میں اسم اعظم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تشریعی و تدوینی کتاب قرآن کو بسم اللّٰہ سے شروع کیا، اسی طرح اپنی تکوینی کتاب ”کائنات“ کی ابتدا ذات محمد(ص) سے کی اور تمام مخلوقات سے پہلے نور محمدی (ص) خلق فرمایا:

اِبْتَدَاٴَ اللّٰهُ کِتَابَه التَّدْوِیْنِی بِذِکْرِ اِسْمِهِ کَمَا اِبْتَدَاٴَ فی کِتَابَهُ التَّکْوِینِِی بِاِسْمِهِ الْاتَمْ فَخَلَقَ الْحَقِیقَةَ الْمُحَمَّدِیَّةَ وَ نُوْرَ النَّبِیِّ الْاَکْرَمِ قَبْلَ سَائِرِ الْمَخْلُوقِیْنَ (33)

اللہ تعالیٰ نے اپنی تدوینی کتاب کی ابتدا اپنے نام سے کی جیساکہ اس نے اپنی تکوینی کتاب کی ابتدا اپنے کامل اسم سے کی۔ چنانچہ تمام مخلوقات سے پہلے حقیقت اور نور محمدی (ص) کو خلق کیا۔

( الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ )

۱۔ قرآن کی ابتدا ذکر رحمت سے ہو رہی ہے۔ خود قرآن بھی اللہ کی عظیم رحمت ہے :

( وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هو شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ) (34)

اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے تو شفا اور رحمت ہے ۔

خود رسول کریم (ص) بھی اللہ کی عظیم رحمت ہیں :

( وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ) (35)

اور (اے محمد) ہم نے آپ کو عالمین کے لیے بس رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔

رحمت کی اس غیر معمولی اہم یت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم نے رحمت کو اپنی ذات پر لازم قرار دے رکھا ہے:

( کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ) ۔ (36)

تمھارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے۔

۲۔رحمٰن ۔بے پایاں رحم کرنے والا۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کس پررحم کرنے والا ہے ۔اس کا راز یہ ہے کہ اگر اس کا ذکر کر دیا جاتا تو خدا کی رحمانیت اسی کے ساتھ مخصوص ہو جاتی جب کہ ذکر نہ کرنے سے اللہ کی رحمانیت کا دائرہ وسیع رہتا ہے۔ لفظ الرحمٰن ہمیشہ کسی قید و تخصیص کے بغیر استعمال ہوتاہے یعنی رحمٰن بالمؤمنین نہیں کھا جاتاکیونکہ خدا فقط مومنین پر ہی رحم کرنے والا نہیں ہے :

( فَاِنَّ کَلِمَةَ الرَّحْمٰن فیِ جمیع موارد استعمالها مَحْذُوْفَةُ الْمُتَعَلَّقِ فَیُسْتَفَادُ مِنْها الْعُمُوْمُ وَ اٴَنَّ رَحْمَتَهُ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ) ۔(37)

لفظ رحمٰن جھاں بھی استعمال ہوا ہے اس کا متعلق محذوف ہے، اسی لیے اس سے عمومےت کا استفادہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔

۳۔رحمن اور رحیم کو بِسْمِ اللّٰہ جیسی اہم ترین آیت میں باہم ذکر کرنے سے مقام رحمت کی تعبیر میں جامعیت آجاتی ہے کیونکہ رحمن سے رحم کی عمومیت و وسعت وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ(38) ”اور میری رحمت ھرچیز کو شامل ہے“ اور رَحیم سے رحم کا لازمہ ذات ہونامراد ہے کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلَی نَفْسِہِ الرَّحْمَةَ۔(39) چنانچہ اس تعبیر میں عموم رحمت اور لزوم رحمت دونوں شامل ہیں ۔

۴۔ رحمٰن اور رََحیم ، رحمسے مشتق ہیں ،جو احتیاج، ضرورتمندی اور محرومی کے موارد میں استعمال ہوتاہے۔ کیونکہ کسی شے کے فقدان کی صورت میں احتیاج، ضرورت اور پھر رحم کا سوال پیدا ہوتا ہے اور رحم کرنے والا اس چیز کا مالک ہوتا ہے جس سے دوسرا شخص (جس پررحم کیاجاتا ہے) محروم ہوتا ہے۔

بعض علما ء کے نزدیک رحمٰن اسم ذات ہے، کیونکہ قرآن میں بہت سے مقامات پراس لفظ سے ذات کی طرف اشارہ کیا گیاہے :

( قُلْ اِنْ کَانَ لِلرحمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ) (40)

کہدیجیے : اگر رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں ۔

اس لیے اس لفظ کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ ہر کمال اور طاقت کا سرچشمہ ہے، جب کہ انسان اور دیگر مخلوقات محتاج ا و ر ضرورتمند ہیں ۔ کائنات کا مالک اپنے محتاج بندوں کو یہ باور کرا رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے رحمٰن و رَحیم ہے، کیونکہ وہی ہر فقدان کا جبران، ہر احتیاج کو پورا اور ھرکمی کو دور کرتا ہے اور اپنے بندوں کو نعمتوں سے نوازتا ہے۔

۵۔ نمازمیں بسم اللہ کو بالجھر (آواز کے ساتھ) پڑھنا مستحب ہے۔ حدیث کے مطابق یہ مومن کی علامت ہے۔

احادیث

امام حعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار عليه‌السلام سے روایت فرماتے ہیں :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٴَقْرَبُ اِلَی اسْمِ اللّٰهِ الاٴَعظَمِ مِن نَاظِرِ الْعَیْنِ اِلَی بَیَاضِهَا۔(41)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ کے اسم اعظم سے ایسے نزدیک ہے جیسے آنکھ کا قرینہ سفیدی سے ۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَقْرَبُ اِلَی اِسْمِ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ مِنْ سَوَادِ الْعَیْنِ اِلَی بَیَاضِهَ(42)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اتنی نزدیک ہے جتنی آنکھ کی سیاہی اس کی سفیدی سے قریب ہے ۔

اہم نکات

۱۔ ہر کام کی ابتدا میں اپنے مھربان معبود یعنی اللہ کانام لیناآداب بندگی میں سے ہے۔

۲۔ ہر کام کو نام خدا سے شروع کرنے سے انسان کے کائناتی موقف اور تصور حیات کا تعین ہوتا ہے کہ کائنات پر اسی کی حاکمیت ہے لَاْ مُوثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰه ہر کام اور ہر چیز میں صرف اسی کا دخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے : کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَاٴْ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرٌ(43) یعنی ہر وہ اہم کام جسے اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے اپنے مطلوبہ انجام تک نہیں پہنچتا۔ چونکہ اس کائنات میں اللہ ہی سب کا مطلوب و مقصود ہے اور اس کے بغیر ھرکام ادھورا اور ابتر رہتا ہے، لہٰذا حصول مرام کے لیے اس کے نام سے ابتدا کرناضروری ہے۔

۳ رحمن سے رحمت کی عمومیت اور رحیم سے رحمت کا لازمہ ذات ہونا، رحمن کے صیغہ مبالغہ ہونے اور رحیم کے صفت مشبہ ہونے سے ظاہر ہے۔

۴۔ اللہ کے اوصاف میں رحمن و رحیم کو سب سے زیادہ اہم یت حاصل ہے۔

۵۔ الله کی رحمانیت سب کو شامل ہے جب کہ اس کی رحیمیت صرف مومنین کے لیے ہے۔

تحقیق مزید

الوسائل ۶ : ۵۹ باب ان البسملة آیة الوسائل ۶ : ۱۱۹ ۔ ۷:۱۱۹ ۔ ۷ ۔ ۱۶۹ ۔ مستدرک الوسائل ۴:۱۶۶ ۔ ۴: ۱۸۷۔ ۴: ۱۸۹۔ عوالی اللآلی ۴ : ۱۰۲

2 ( الْحَمْدُ للّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ )

۲۔ ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے جو سارے جھانوں کا پروردگار ہے۔

تشریح کلمات

الحمد: ( ح م د ) ثنائے کامل ۔ اختیاری خوبیوں کی تعریف کرنے کو حمد کہتے ہیں ۔ اَلْ کلمہ استغراق ہے۔ یعنی ساری حمد ، کوئی بھی حمد ہو ۔ اس لیے ہم نے اَلْ کا ترجمہ کاملسے کیا ہے ۔

رب : ( ر ب ب )کسی شے کو تدریجاً ارتقائی درجات کی طرف لے جانے والا۔ رب اس مالک کو کہتے ہیں جس کے ہاتھ میں تدبیرامور ہو۔ المالک الذی بیده تدبیر الامور۔ العین میں مذکورہے :و من ملک شیئاً فهو ربه۔جو کسی چیز کا مالک بنے وہ اس کا رب کہلائے گا۔ لسان العرب میں ہے: فَلَان رَبُّ هَذَا الشیء اَیْ مِلْکُهُ لَهُ فلاں اس چیز کا رب یعنی مالک ہے۔ بادل کورباب کہتے ہیں ،کیونکہ اس سے برسنے والے پانی سے نباتات کی نشو و نما ہوتی ہے۔

جو شخص ربکی طرف منسوب ہوا، اسے ربانی کہتے ہیں ۔ ارشا د قدرت ہے :

کُوْنُوْا رَبَّانِیّنَ (44)

اللہ والے بن جاؤ ۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ عليه‌السلام نے فرمایا :

اَنَا رَبَّانِیُّ هٰذِهِ الْاُمَّة(45)

میں اس امت کا ربانی ہوں ۔

تفسیر آیات

( الْحَمْدُ للّهِ )

الحمد دو لفظوں اَل اور حمدسے مرکب ہے۔اَل عمومیت کا معنی دیتاہے اورحمد ثنائے کامل کو کہتے ہیں ۔ار دو زبان کی گنجائش کے مطابق اس کا مفھوم یہ بنتا ہے: ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے۔ یعنی اگرغیر خداکے لیے بظاہر کوئی جزوی ثنا اور حمد دکھائی دےتی بھی ہے تو اس کا حقیقی سرچشمہ بھی ذات خداوندی ہے۔ بالفاظ دیگر مخلوقات کی حمد و ثنا کی بازگشت ان کے خالق کی طرف ہوتی ہے :

( رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَه ثُمَّ هََدٰی ) (46)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی ۔

تمام موجودات معلول ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے علت العلل ہے۔ لہٰذا معلول کے تمام اوصافعلت کے مرہون منت ہوتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ان کا وجود جو ایک کمال ہے، وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔اسی لیے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ عليه‌السلام نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کے بعد فرمایا:

( فَمَا مِنْ حَمْدِ اِلّا وَ هو دَاخِلٌ فِیْمَا قُلْتُ ) (47) یعنی ہر قسم کی حمدو ثنا اس جملے اَلْحَمْدُ للّٰہ میں داخل ہے جو میں نے کھاہے۔

( رَبِّ الْعَالَمِينَ )

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

( شُکْرُ النِّعْمَةِ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ وَ تَمَامُ الشُّکْرِ قَوْلُ الرَّجُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ ) .(48)

حرام سے اجتناب کرنا نعمت کا شکر ہے اور الحمد للّٰہ رب العالمینکہنے سے شکر کی تکمیل ہوتی ہے۔

توحید رب تمام انبیاء عليه‌السلام کی تبلیغ کا محور و مرکز رہی ہے ، ورنہ توحید خالق کے تو مشرکین بھی قائل تھے ۔ ملاحظہ ہو سورة عنکبوت : ۶۳تا ۶۱۔ سورہ زخرف ۹،۸۷ ۔ لقمان: ۲۵

تربیت یعنی کسی شے کوبتدریج ارتقائی منازل کی طرف لے جانا۔ جب لفظ رب کو بلا اضافت استعمال کیا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے:

( قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هو رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ ) .(49)

کہدیجیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب بناؤں ؟حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے ۔

البتہ غیر خدا کے لیے اضافت ضروری ہے جیسے رب البیت، رب السفینة وغیرہ۔

لفظ رب اس مالک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس کے ہاتھ میں مملوک کے امور کی تدبیر ہو ۔ اسلامی تعلیمات کا مرکزی نکتہ خالق و مدبر کی وحدت ہے کہ جس نے خلق کیا ہے اسی کے ہاتھ میں تدبیر امور ہے : یدبّر الامر من السمآء الی الارض۔

انسانی تکامل و ارتقا کا مربی خدا ہے اور حقیقی مالک بھی وہی ہے اس لیے لفظ رب کومقام دعا میں بہت اہم یت حاصل ہے۔ تمام انبیاء عليه‌السلام کی یہ سیرت رہی ہے کہ انھوں نے اپنی دعاؤں کی ابتدا لفظرب سے کی اور اللہ کو ہمیشہ اسی لفظ سے پکارا : ( رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ) (50) ( رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَ ) (51) ( رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ ) (52)

عالمین:اسم جمع ہے۔موجودات کی ایک صنف پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسےعالم الانس، عالم الارواح وغیرہ۔ اللہ کے سوا پوری کائنات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

ممکن ہے عَالَمِین سے یہاں پہلا معنی مراد ہو۔ بنابریں رَبِ الْعَالَمِیْنکا معنی یہ ہوا کہ تمام عالمینکا مربی اور ان کی ارتقا کا سرچشمہ فقط اللّٰہ ہے۔ اس جامع اور وسیع نظریہ توحید سے وہ فرسودہ توہمات بھی باطل ہوجاتے ہیں ، جن کے مطابق مشرکین تربیت و فیض کا سرچشمہ ایک ذات کی بجائے متعدد ذوات کو قرار دیتے اور ایک رب کی بجائے بہت سے ارباب کو پکارتے تھے

اہم نکات

۱۔ ہر حمد و ثنا ء کی بازگشت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔اَلْحَمْدُ لِلّٰه

۲۔ تمام کائنات کا مالک اور ہر ارتقا کا سرچشمہ اللہ تعا لیٰ ہے ۔ رَبِّ الْعَالَمِیْن

۳۔ کائنات پر صرف ایک رب کی حاکمیت ہے۔

۴۔ ربو بیت کا تقا ضا یہ ہے کہ مربو ب اپنے رب کی تعریف کرے۔

۵۔ مربی کے بغیرار تقا ئی مرا حل طے نہیں ہو سکتے۔

۶۔ تربیت یعنی حقیقی منزل کی طر ف رہنما ئی سب سے اہم کام ہے۔

۷۔ لفظ عا لمین سے ظا ہر ہے کہ تر بیت کا دائرہ نھا یت وسیع ہے۔

۸۔ وحدت مر بی نظا م کا ئنا ت میں ہم آہنگی اور وحد ت ہدف کی ضا من ہے۔

۳ ( الرَّحْمـنِ الرَّحِيمِ )

۳۔جو رحمٰن و رحیم ہے۔

تفسیر کلمات

وہ اللّٰہ جو لائق حمد و ثنا ، سرچشمہ تربیت و ارتقا اور صفت رحمانیت و رحیمیت سے متصف ہے،عالمین کا مالک اور قادر و قھار ہونے کے باوصف رحمن و رحیم بھی ہے ۔

مخفی نہ رہے کہ بِسْمِ اللّٰہ میں رَحْمٰن و رَحِیْم کے ذکرکے بعد اس مقام پر دوبارہ تذکرہ بے جا تکرار نہیں بلکہ بسم اللّٰہ میں اس کا ذکر مقام الوہی ت میں ہوا تھا، جب کہ یہاں مقام ربوبیت میں رَحْمٰن و رَحِیْم کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

اللہ کی رحمت سے وہ لوگ بھرہ مند ہو سکتے ہیں جو اس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں ۔ اِرْحَمْ تُرْحَمْ ۔

اہم نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ الوہی ت کے ساتھ ساتھ ربوبیت میں بھی رَحْمٰن و رَحِیْم ہے۔

۲۔ دوسروں پر رحم کر کے ہی رحمت خداوندی کا اہل بنا جا سکتا ہے۔

4- ( مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ )

۴۔ روز جزا کا مالک ہے۔

تشریح کلمات

دین: ( د ی ن )جزا اور اطاعت کے معنی میں استعمال ہوتاہے۔ شریعت کے معنی میں بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا حقیقی سرپرست، روز جزا و سزا کا مالک اور صاحب اختیار ہے۔ وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ مجرم کوبخش دینا یا اسے سزا دینا اس کے اختیا ر میں ہے۔ وہ روز جزا کا قاضی ہی نہیں بلکہ مالک و صاحب اختیار بھی ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ جب اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا مالک ہے تو پھر صرف روزجزا سے اس مالکیت کی تخصیص کیوں کی گئی ؟

اس کا جواب یہ ہے :

اولاً : دنیا میں مجازی مالک بھی ہوتے ہیں جب کہ بروزقیامت کوئی مجازی مالک نہ ہو گا:

( یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَ الْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِِّلّٰهِ ) ۔(53)

اس دن کسی کو کسی کے لیے کچھ (کرنے کا) اختیا ر نہیں ہو گا اور اس دن صرف اللہ کا حکم چلے گا۔

ثانیاً: دنیا میں تو اس مالک حقیقی کے منکر بھی موجود ہوتے ہیں ، لیکن روز جزا توکوئی لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ(54) کا جواب دینے والانہ ہوگا۔

ثالثاً:دنیا میں اللہ کا صرف تکوینی حکم نافذ تھا،جب کہ تشریعی احکام کی نافرمانی بھی ہوتی تھی، لیکن بروز قیامت ا س کے تمام احکام نافذ ہوں گے، کوئی نافرمانی کی جرأت نہیں کر سکے گا۔

رابعاً: دنیا میدان عمل اور دار الامتحان ہے، اس لیے بندے کو کچھ اختیارات دیے گئے ہیں ، لیکن قیامت،نتیجے اورجزائے عمل کا دن ہے،لہٰذا اس دن فقط اللہ کی حاکمیت ہو گی بندوں کو کوئی اختیار نہیں دیا جائے گا ۔

روز جزا کا تصور انسانی زندگی پر گھرے اثرات مرتب کرتا ہے۔کیونکہ اس عقیدے سے دنیاوی زندگی کو قدر و قیمت ملتی ہے اور اس میں پیش آنے والی سختیوں کی توجیہ میسر آتی ہے۔ زندگی سکون و اطمینان اور صبر و استقامت سے گزرتی ہے اور انسان ناانصافیوں کو دیکھ کر مایوس نہیں ہوتا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے:

لَوْ مَاتَ مَنْ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَمَا اسْتَوْحَشْتُ بَعْدَ اٴَنْ یَکُونَ الْقُرْآنُ مَعِی وَ کَانَ ع اِذَا قَرَاٴَ ” ( مٰالِکِ یَوْمِ الدِّینِ ) “ یُکَرِّرها حَتَّی کَادَ اٴَنْ یَمُوتَ۔(55)

اگر مشرق و مغرب کے درمیان سب لوگ مر جائیں تو میں وحشت زدہ نہ ہوں گا اگر قرآن میرے ساتھ ہے ۔ جب مالک یوم الدین کی تلاوت فرماتے تو اس کی اتنی تکرار کرتے کہ لگتا تھا جیسے جان جھاں آفریں کے سپرد ہو رہی ہے ۔

اہم نکات

۱۔ قیامت کے دن مالکیت و حاکمیت صرف اللہ کی ہو گی۔

۲۔ انسانی و اخلاقی اقدار کا تعلق روز جزا سے ہے۔

۳۔ اللہ کے ھاں اخروی احتساب کا عقیدہ انسان کو دنیا میں خود احتسابی پر آمادہ کر تا ہے۔

5- ( إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ )

۵۔ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ۔

تفسیر آیا ت

( إِيَّاكَ نَعْبُدُ )

کسی ذات کی تعظیم و تکریم اور اس کی پرستش کے چار عوامل ہو سکتے ہیں ۔ کمال ، احسان، احتیاج اور خوف۔ اللہ تعالیٰ کی پرستش و عبادت میں یہ چاروں عوامل موجود ہیں ۔

کمال:اگر کسی کمال کے سامنے ہی سر تعظیم و تسلیم خم ہونا چاہیے تواس عالم ہستی میں فقط اللہ تعالیٰ ہی کمال مطلق ہے،جس میں کسی نقص کا شائبہ تک نہیں ۔ تمام کمالات کا منبع اور سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ آسمانوں اورزمین میں بسنے والے اسی کمال مطلق کی عبودیت میں اپنا کمال حاصل کرتے ہیں :

( اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ) (56)

جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس رحمن کے حضور صرف بندے کی حیثیت سے پیش ہو گا ۔

احسان: اگر کسی محسن کی احسان مندی عبادت و تعظیم کا سبب بنتی ہے تویہاں بھی اللہ کی ذات ہی لائق عبادت ہے،کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر رکھا ہے:

( کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ) (57)

تمھارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہے ۔

احتیاج: عبادت کا سبب اگر احتیاج ہے تو یھا ں بھی معبود حقیقی اللہ ہی ہے،کیونکہ وہ ہر لحاظ سے بے نیا ز ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ وہ علت العلل ہے اور باقی سب موجودات معلول ہیں اور ظاہر ہے کہ علت کے مقابلے میں معلول مجسم احتیاج ہوتا ہے:

( یٰٓاَیُّهَاالنَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هو الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ) ۔(58)

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز، لائق ستا ئش ہے۔

خوف:اگر وجہ تعظیم و عبادت خوف ہے توخداوند عالم کی طرف سے محاسبے اور مؤاخذے کا خوف انسان کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایک دن اسے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا:

( مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِه وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ) ۔(59)

جونیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو برائی کا ارتکاب کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے،پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔

رحمن و رحیم، رب العالمین اور روز جزاء کے مالک پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی ہو،کیونکہ سابقہ آیات میں عبادت کے تمام عوامل بیان ہو چکے ہیں ۔

( اَلْحَمْدُ لِلّٰه ) سے کمال خداوندی کی نشاندھی ہوتی ہے یعنی خداوند عالم کمال کی اس منزل پر ہے کہ تمام حمدو ثنا صرف اسی کے شایان شان ہے۔

( رَبِّ الْعَالَمِیْن ) سے عبادت کا دوسرا عامل ” احتیاج “ سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی خدا ساری کائنات کا مالک، مربی اور پالنھار ہے باقی سب اس کی تربیت کے محتاج ہیں ۔

( الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ) سے تیسرا عامل ” احسان “ آشکارہوتا ہے۔ یعنی خدا کا احسان عام ہے اور ہر چیز کو شامل ہے۔

( مٰالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ) کے ضمن میں چوتھا عامل ” خوف “ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی قیامت کا یقین اللہ کے عدل سے خوف کا باعث بنتاہے ورنہ ذاتِ الٰہی سے خوف کا کوئی معنی نہیں ۔ وہ تو رحیم و غفور ہے۔ بنابریں ہر اعتبار سے عبادت صر ف ا سی کی ہو سکتی ہے :

( وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوآ اِلآّ اِیَّاهُ ) ۔ (60)

اور آپ کے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو ۔

عبادت کی تعریف

عبادت کی تعریف اور مفھوم کے بارے میں کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہے اور عبادت کی یہ تعریف کرتے ہیں ۔

کسی کے تقرب اور اس کی شفاعت کے حصول کے لیے قلبی تعلق قائم کرن (61)

اس تعریف میں قلبی تعلق اور تعظیم کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور اس غلط تعریف کی بنیاد پر یہ لوگ اکثر مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں ، جب کہ قرآن میں غیر خدا سے قلبی تعلق اور تعظیم کرنے کی ترغیب موجود ہے :

( وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ) ۔(62)

جو شعائر اللہ کا احترام کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔

والدین کے بارے میں فرمایا:

( وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ) ۔ (63)

اور مھر و محبت کے ساتھ ان (والدین) کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو۔

عبادت کی صحیح تعریف قرآنی شواہد کی روشنی میں اس طرح ہے:

کسی کو خالق یا رَب تسلیم کر کے اس کی تعظیم کرنا۔

خود لفظ ” عبادت “ سے اس کی تعریف نکل آتی ہے: چنانچہ عبد مملوک کو کہتے ہیں ۔ العین میں آیا ہے: العبد المملوک ۔اور مملوک اسے کہتے ہیں جس کا کوئی مالک ہو۔ چنانچہ رَب مالک کو کہتے ہیں ۔ العین میں آیا ہے:

و من ملک شیئا فهو ربّه، لا یقال بغیر الاضافة الا للّٰه عز و جل ۔

جو کوئی کسی چیز کا مالک بنتا ہے وہ اس کا رَب کہلائے گا اور بغیر اضافہ کے مطلق رب صرف اللہ تعالیٰ کو کھا جاتا ہے ۔

لہذا عبادت رب کی ہوتی ہے، اگر کوئی رب نہیں ہے توکوئی اس کا عبدبھی نہیں ہو گا اور جب عبد نہیں ہے تو عبادت بھی نہیں ہوگی۔ اس مطلب کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے :

( اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ) (64)

اللہ میرا رب اور تمھارا بھی رب ہے، پس تم اس کی عبادت کرو، یھی سیدھا راستہ ہے۔

مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورہ مریم آیت ۶۵، سورہ حج آیت ۷۷ ، سورہ انبیاء آیت ۹۲۔ ان آیات میں فرمایا ہے کہ چونکہ اللّٰہ ہی تمھارا رَب ہے لہذا تم اسی کی عبادت کرو۔ ان سب آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت رَب کی ہوتی ہے ۔

چنانچہ بت پرست اپنے بتوں کو رب مانتے تھے پھر ان کی پرستش کرتے تھے، اس لیے مشرک قرار پائے۔ اسی طرح کسی کو اپنا خالق تسلیم کر کے اس کی تعظیم کرنا بھی عبادت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

( ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ج لَآ اِلٰهَ اَلَّا هُوَ ج خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ) (65)

یہی اللہ تمھارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا اس کی عبادت کرو۔

وَ اِیَاکَ نَسْتَعِیْن چونکہ کائنات کا مالک وہی ہے او ر ہر چیز پر اسی کی حاکمیت ہے :

( لَه مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ) .(66)

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملکیت ہیں ۔

لہٰذا جب مومن طاقت کے اصل سرچشمے سے وابستہ ہوتا ہے تو تمام دیگر طاقتوں سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور کسی دوسری طاقت سے مدد لینے کی ضرورت ہی محسو س نہیں کرتا۔

غیر اللہ سے استمداد کا مطلب یہ ہوگا کہ سلسلہ استمداد اللہ تعالیٰ پرمنتھی نہ ہو اور اس غیر اللہ کو اذن خدا بھی حاصل نہ ہو۔ لیکن اگریہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منتھی ہوتا ہو تو یہ اللہ سے براہ راست استمداد کے منافی نہیں ۔ کیونکہ مخلوقات جس طرح اپنے وجود میں خالق حقیقی سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ، اسی طرح اپنے افعال میں بھی مستقل نہیں ہیں ۔ ان کا ہر عمل فیض الٰہی کا کرشمہ ہوتا ہے۔ بنا بریں اگر خدا نے اپنے خاص بندوں کو وسیلہ بننے کی اجازت دے رکھی ہے تو ان سے استمداد درحقیقت خدا سے استمداد ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

( وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَاءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُ وا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِیْمًا ) .(67)

اور جب یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تھے تو اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے۔

یعنی اللہ سے طلب مغفرت کے لیے رسول (ص) کے دربار میں حاضر ہو کر انھیں وسیلہ بنانا(جاؤک ) اور وسیلہ بن کر رسول کا(ص) ان کے لیے استغفار کرنا ہمارے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی ہے ۔

نیز فرمایا :

( وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُه وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه وَ رَسُوْلُه ) ۔ (68)

اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ انھیں دیاہے اگر وہ اس پر راضی ہوجاتے اور کہتے: ہمارے لیے اللہ کافی ہے، عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی۔

نیز فرمایا:

( وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُه مِنْ فَضْلِه ) ۔ (69)

اور انھیں صرف اس بات پر غصہ ہے

کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان (مسلمانوں ) کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے ۔

” بہت کچھ عنایت کرنے“ اور ” دولت سے مالا مال کرنے“ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول(ص) کا اس طرح ذکر کرناکہ ”اللہ اور رسول(ص) نے بہت کچھ دیا ہے“ اور ” اللہ اور رسول(ص) نے دولت سے مالا مال کردیا “ ، شرک نہیں ہے، کیونکہ یہ عطا و بخشش اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر نہیں ہے کہ شرک کے زمرے میں چلی جائے بلکہ یہ تو مِنْ فَضْلِه کے ذیل میں آتی ہے۔

لہٰذا قرآنی تصریحات کے مطابق جب یہ کہنا درست ثابت ہوگیا کہ ”اللہ اور اس کے رسول(ص) نے دولت سے مالامال کردیا “ تو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ” اے رسول خدا (ص)! ہمیں دولت سے مالا مال فرمادیں ۔ “

لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ سے حصول فیض میں وسائل اور وسائط کار فرما ہوتے ہیں ، اسی طرح اللہ سے طلب فیض کے لیے بھی اس کے مجاز وسائل اور واسطوں کا ہوناثابت ہے ۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مخلوق سے مدد طلب کرنا شرعاًجائز ہے جیساکہ قرآن نے فرمایا ہے: ( فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ ) (70) تم طاقت کے ساتھ میری مدد کرو، نیز فرمایا : ( وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ) (71) نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو ، تو صرف اللہ سے مدد مانگنے کا مطلب کیا ہوا؟

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ مدد سے مراد توفیق ہے اور توفیق کسی فعل کے انجام دینے کے لیے تمام اسباب کی فراہم ی کو کہتے ہیں اور صرف اللہ تمام اسباب فراہم کر سکتا ہے۔ اس لیے ہر مدد کو توفیق نہیں کہتے، بلکہ ہر توفیق مدد ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مدد سے مراد بدنی طاقت ہے جو صرف اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو مدد غیر خدا سے لی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ سے ہے، چونکہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس نے جو کچھ مدد دی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ چوتھا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مدد دینے والا خود اپنے ذات، اپنے وجود، اپنے افعال میں اللہ کا محتاج ہے، لَا حَول وَ لَا قُوة اِلاَّ بِاللّٰہ کا یھی مفھوم ہے ، لہٰذا اس سے مدد لینا خود اللہ سے مدد ہے ۔

اہم نکات

۱۔ جس کی بندگی کی جاتی ہے، مدد بھی اسی سے طلب کی جاتی ہے ۔ ( نَعْبد- نَسْتَعین )

۲۔ استعانت الٰہی کے بغیر عبادت بھی ممکن نہیں ہے ۔

۳۔ عبادت اور استعانت کا حقیقی محور صرف ایک ہی کامل ذات ہے۔

۴۔ حر ف خطا ب ” ک “ سے یہ ظاہر ہو تا ہے کہ عبادت و استعانت کے وقت بندہ خود کو بارگا ہ خدا میں حا ضر دیکھے۔

۵۔ نَعْبُدُ سے اجتما عی عبا دت کا تصو ر ملتا ہے۔

۶۔ ( نَسْتَعِین ) سے پہلے ( نَعْبُدُ ) کے ذکر سے یہ ظاہر ہو تا ہے کہ بندے کو استعانت سے پہلے عبودیت کی منزل پر فائزھونا چاہیے۔

۶۔ استعا نت دلیل احتیا ج ہے۔

6- ( اهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ )

۶۔ همیں سیدھے راستے کی هدایت فرم

تشریح کلمات

ہدایت: ( ھ د ی) مھرو محبت سے رہنمائی کرنا۔ اسی لیے بلامعاوضہ اور خلوص و محبت سے دیا جانے والا تحفہ ہدیہ کہلاتا ہے ۔

صراط: ( ص ر ط )اس کا لغوی معنی ” نگلنا “ ہے۔ صحیح راہ پر چلنے والا منزل مقصود تک پہنچنے کے بعد اس کاحصہ بن جاتا ہے۔ یہ راستہ قوت جاذبہ و ھاضمہ کی طرح سالکین کو اپنی طرف جذب کر کے انھیں اپنا جزو بنا لیتا ہے۔ اسی لیے صحیح راستے کو صراط کھاگیا ہے۔

تفسیر آیات

اللّٰہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کی ربوبیت اور روز جزاء کے اعتراف اور عبادت و استعانت کا صحیح تصور قائم کرنے کے بعد انسان کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، وہ ہدایت و رہنمائی ہے۔ کیونکہ انسان عبث نہیں ،بلکہ ایک اعلیٰ و ارفع ہدف کے لیے خلق ہوا ہے۔ اب خا لق پر لازم ہے کہ اس اعلیٰ ہد ف کی طرف اس کی رہنمائی بھی کرے ۔بنا بر ایں خالق کائنات نے خلقت سے پہلے ہدایت کا انتظام فرمایا:

( لَوْ لَاکَ لَمَاْ خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ) (72)

اے محمد(ص) ! اے پیکر ہدایت!اگر میں نے انسانوں کی رہنمائی و ہدایت کے لیے تجھے نہ چنا ہوتا تو میں افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا۔

صراط سے بھی حرکت اور روانی کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی مومن قدم بہ قدم منزل کی طرف بڑھ رہا ہے:

( یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ) .(73)

اے انسان! تو مشقت اٹھا کر یقینا اپنے رب کی طرف جانے والاہے پھر اس سے ملنے وا لا ہے۔

مستقیم سے اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا اندازہ ہوتاہے کہ راستہ کٹھن اور دشوار گزار ہے،کیونکہ” صراط مستقیم“ کے مقابلے میں ” صراط منحرف“ ہے جس سے بچنے کے لیے ہدایت،راہنمائی اور جہد مسلسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت سے یہ بات واضح ہو گی کہمغضوب علیہم اور ضالین کے راستوں سے بچ کر صراط مستقیم کی تلاش اور پھر اس کی حفاظت اور اس پر پابند رہنا کوئی آسان کام نہیں ۔

اَوَّلُ مٰا خَلَق اللّٰهُ نُوری۔(74) ا س کائنات میں اللہ نے سب سے پہلے نور محمدی (ص) کو خلق فرمایا تاکہ راہ ارتقا کے متلاشی اس نور کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کر سکیں ۔

اعتراض: ہدایت کی طلب اور خواہش سے تو گمان ہوتا ہے کہ بندہ ابھی ہدایت یافتہ نہیں ہوا۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات سرچشمہ فیض ہے۔ اس کی عنایات غیر منقطع ہوتی ہیں : عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (75)

وھاں منقطع نہ ہونے والی بخشش ہو گی

اور اللہ کی جانب سے فیض کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا: لَا اِنْقِطَاعَ فِی الفَیْضِ۔ دوسری طرف سے بندہ سراپا محتاج ہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی سرچشمہ فیض سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ہدایت، رہنمائی اور توفیق اس کے فیوضات ہیں ، جو ہمیشہ جاری و ساری رہتے ہیں اور بندہ ہر آن جن کا محتاج ہے۔ ہدایت ایسی چیز نہیں جو خدا کی طرف سے اگر ایک بار مل جائے تو پھر بندہ بے نیاز ہو جاتا ہے، بلکہ وہ ہر آن، ہر لمحہ ہدایت الٰہی کا محتاج رہتا ہے۔

بندے کا ہر آن ہر لمحہ اللہ کی رحمت و ہدایت کا محتاج ہونا اس دعائیہ جملے سے واضح ہو جاتا ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام اپنی دعاؤں میں نھایت اہتمام کے ساتھ کیا کرتے تھے ۔ رَبِّ لَا تَکِلْنِیْ الیٰ نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ اَبَدًا۔(76) میرے مالک! مجھے کبھی بھی چشم زدن کے لیے اپنے حال پر نہ چھوڑ۔بھلاجس سے اللہ نے ہاتھ اٹھایا ہو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے: ( فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ) ۔(77) یعنی پس اللہ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اسی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں :

اَدِمْ لَنَا تَوفِیقَکَ الَّذِی بِهِ اَطَعْنَاکَ فِی مَاضِیِّ اَیَامِنَا حَتَّی نُطِیْعَکَ کَذَلِکَ فِی مُسْتَقْبِلِ اَعْمَارِنَا(78)

خداوندا ! اپنی عطا کردہ توفیق کو برقرار رکھ، جس کی بدولت ہم نے ماضی میں تیری اطاعت کی ہے، تاکہ ہم آئندہ بھی تیری اطاعت کرتے رہی ں ۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہدایت کے درجات ہوتے ہیں اور ہر درجے پر فائز مسلمان بالاتر درجہ ہدایت کے لیے دعا کر سکتا ہے ، جیساکہ ارشاد ہے:

( وَ الَّذِیْنَ اهتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ) (79)

جن لوگوں نے ہدایت حاصل کی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا اور انھیں ان کا تقویٰ عطا کیا۔

اہم نکات

۱۔ بندے کواللہ تعالیٰ کی مدد کی سب سے زیادہ ضرورت، ہدایت کے مسئلے میں ہوتی ہے۔

۲۔ مومن کا تصور حیات ، راہ مستقیم کی رہنمائی کے لیے دعا کرنے سے ہی متعین ہوتا ہے۔

۳۔ مومن انسان اپنی زندگی کی ایک منزل مقصود رکھتا ہے جس تک پہنچنے کے لیے ہدایت اور رہنمائی ضروری ہے۔

۴۔ انسان مومن، متحرک اور رواں دواں ہوتا ہے، اس لیے اسے ہر آن رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے،کیو نکہ اگر انسان جمود و سکوت کی حالت میں ہو تو اس کے لیے کسی رہنمائی کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔

7- ( صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ ) .

۷۔ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام فرمایا،جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

تشریح کلمات

مغضوب: (غ ض ب )خون قلب کا جوش مارنا۔ ارادہ انتقام۔ غضب الٰہی سے مراد صرف انتقام ہے۔

ضالین: (ض ل ل) ضلال، ہدایت کی ضد ہے۔ یعنی سیدھے راستے سے ہٹنا۔ ضال اسم فاعل ہے جس کی جمع ضالین ہے۔

تفسیر آیات

اس آیہ شریفہ میں اسوہ کا ذکر ہے، جسے نمونہ عمل بنانا ہے اور دو انحرافی راستوں کا ذکر بھی ہے، جن سے برائت اختیار کرنا ہے۔

گویا تولیٰ اور تبریٰ کے بغیر کوئی نظریہ قائم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی جاذبہ و دافعہ کے بغیر کوئی نظام برقرار رہ سکتا ہے۔ لہٰذا ہدایت و نجات کے لیےمنعم علیھم” جن پر خدا کی نعمتیں نازل ہوئیں “سے محبت اور مغضوب علیہم اور ضالین سے نفرت ضروری ہے۔ جن سے محبت کرنا اور اسوہ بنانا مقصودھے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یھی معیار اطاعت ہیں ۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے :

( وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰالِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ) (80)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اوریہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں ۔

مغضوب علیھم سے نفرت اور برائت اختیار کرنے کے بارے میں ارشاد ہواہے :

( یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ) (81)

اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ غضبناک ہوا ہے۔

اور ضالین کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

( وَ مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ) (82)

اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں ۔

واضح رہے کہ غَیْر کے مجرور ہونے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ھم کا بدل ہے جو عَلَیْہِمْ میں ہے۔ یعنی غَیْرِ الْمَغْضُوب وہی لوگ ہیں جو اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غَیْر، اَلَّذِیْن کا بدل ہے ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غَیْر ، اَلَّذِیْن کی صفت ہے ۔(83) تینوں صورتوں میں جو ترجمہ ہم نے اختیار کیا ہے وہی صحیح ہے ۔

اہم نکات

۱۔ ہدایت اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ( صِرَا طَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ) ۔

۲۔ اللہ کی نعمت سے محر وم لوگ مغضوب یا ضالین (مورد غضب خداوندی یا گمراہ) ہوتے ہیں ۔

۳۔ تولی و تبرّیٰ ایما ن کا اہم حصہ ہیں ۔

۴۔ تولاّ و تبرّیٰ سے مراد نیکوں کی روش اپنانااور برے لوگوں کی پیروی سے اجتناب برتناہے۔

--

(اقتباس از: الکوثر فی تفسیر القرآن (جلد اول) (از ۲۰۹ تا ص ۲۳۲) تالیف: محسن علی نجفی)

حواله جات

(1) حجر:۸۷

(2) البیان للامام الخوئی اردو ترجمہ ص ۴۱۸۔ امالی للصدوق ص ۱۷۵ ۔ عیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۳۰۲ ۔

(3) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی ۱:۱۳۴

(4) حوا لہ سابق

(5) حوالہ سابق ۱: ۱۴۱

(6) ۱۱ ہود : ۴۱

(7) ۲۷ نمل : ۳۰

(8) علق: ۱

(9) حج : ۳۴

(10) اعراف : ۱۸۰

(11) دھر: ۲۵

(12) مصنف عبد الرزاق ۲: ۹۲۔کتاب الام للشافعی میں مذکورہ عبارت تھوڑے فرق کے ساتھ موجود ہے۔

(13) الدر المنثور۱ : ۲۷ ۔ تذکرة الحفاظ ۹۰ ۔ تقریب التہذیب ۱ : ۳۷۹

(14) صحیح مسلم کتا ب الصلوٰة ۱: ۳۰۰ ۔ سنن ابی داود کتاب الصلوٰة ۱ : ۲۰۸ حدیث ۷۸۴ ۔ سنن بیہقی ۱ : ۴۳

(15) الدر المنثور ۱: ۲۶

(16) مستدرک الحاکم ۱: ۲۳۱

(17) سنن الترمذی ۲:۴۴

(18) سنن بیہقی ۲ : ۵۰

(19) مستدرک الحاکم ۲ :۲۳۲

(20) الدر المنثور ۱: ۸

(21) سنن بیہقی ۲ :۴۷ (۷) حوالہ سابق

(22) صحیح بخاری باب فضائل القرآن

(23) سنن الدار قطنی ۱ : ۳۰۷۔ اسد الغابہ ۲ :۲۲ تقریب التھذیب ۲ :۳۰۳

(24) الدر المنثور ۱ : ۲۸ ۔ سنن الدار قطنی ۱ : ۳۱۱

(25) حوالہ سابق

(26) حوالہ سابق

(27) حوالہ سابق ۱ : ۲۸

(28) حوالہ سابق ۔ مستدرک الحاکم ۱:۲۳۳

(29) الدر المنثور ۱: ۲۸

(30) مستدرک الحاکم ۱ : ۲۳۴

(31) مریم : ۶۵

(32) اعلیٰ : ۱

(33) البیان اردو ترجمہ ص ۴۳۴

(34) اسراء: ۸۲

(35) انبیاء : ۱۰۷

(36) انعام: ۵۴

(37) البیان :

(38) اعراف:۱۵۶

(39) انعام : ۵۴

(40) زخرف : ۸۱

(41) التہذیب باب کیفیة الصلوة ص ۲۸۹

(42) بحار الانوار ۷۵ :۳۷۱ باب ۲۹ خ ۶۱۔ کشف الغمہ ۲ : ۴۳۰ ۔ التھذیب باب ۱۵ ص ۲۸۹ سَوَادِ کی بجائے نَاظِرِ ہے۔

(43) وسائل الشیعة ۷ : ۱۷۰۔ لم یبداٴ کی بجائے لم یذکر ہے ۔

(44) آل عمران : ۷۹

(45) مفردات راغب مادہ ” رب “۔ قال النبی (ص) علیَ رَبَّانِیَّ هٰذِهِ الٴُامَّة ۔ المناقب ج ۲ ص ۴۵

(46) ۲۰ طہ : ۵۰

(47) کشف الغمة ج ۲ ص ۱۱۸

(48) الکافی ۲: ۹۵ باب الشکر۔ بحار الانوار ۶۸ : ۴۰ باب الشکر

(49) انعام: ۱۶۴

(50) بقرہ ۲ : ۲۰۱

(51) آل عمران ۳ : ۸

(52) بقرہ ۲ : ۱۲۹

تحقیق مزید مجموعہ ورام ۲ : ۱۰۷۔ الکافی ۶ : ۲۲۳۔ الاستبصار ۱: ۳۱۱

(53) انفطار : ۱۹

(54) المؤمن :۱۶

(55) اصول الکافی ۲ : ۶۰۲۔ کتاب فضل القرآن

(56) مریم :۹۳

(57) انعام: ۵۴

(58) فاطر : ۱۵

(59) جاثیہ :۱۵

(60) اسراء : ۲۳

(61) محمد بن عبد الوھاب ۔ کشف الشبھات

(62) حج : ۳۲

(63) بنی اسرائیل ۲۴

(64) آل عمران:۵۱

(65) انعام : ۱۰۳

(66) زمر : ۶۳

(67) نساء : ۶۴

(68) توبہ : ۵۹

(69) توبہ :۷۴

(70) کہف : ۹۵

(71) مائدہ : ۲

(72) تاویل الآیات الظاہرہ ص ۴۳۰

(73) انشقاق : ۶

(74) بحار الانوار ۱ : ۹۷ و ۱۵ : ۲۴۔ عوالی اللآلی ۴ : ۹۹

(75) ہود ۱۱ : ۱۰۸

(76) اصول الکافی ج ۲ ص ۵۸۱

(77) جاثیہ : ۲۳

(78) بحارالانوار ۲۴ :۹۔ اٴیْ اٴدِمْ لنا توفیقک الذی به اطعناک تفسیر امام حسن عسکری عليه‌السلام ص ۴۴

(79) محمد : ۱۷

(80) نساء : ۶۹

(81) ممتحنہ:۱۳

(82) حجر : ۵۶

(83) مجمع البیان، ذیل آیت.

فہرست

[سوره حمد 4](#_Toc8120729)

[مقام نزول 4](#_Toc8120730)

[تعداد آیات 4](#_Toc8120731)

[فضیلت 5](#_Toc8120732)

[آیت 5](#_Toc8120733)

[سورہ 6](#_Toc8120734)

[( بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ) ۔ 7](#_Toc8120735)

[تاریخی حیثیت 7](#_Toc8120736)

[قرآنی حیثیت 7](#_Toc8120737)

[بسم اللہ کا بالجھر (آواز سے ) پڑھنا 9](#_Toc8120738)

[تشریح کلمات 11](#_Toc8120739)

[تفسیر آیات 11](#_Toc8120740)

[( بِسْمِ اللّٰهِ ) 11](#_Toc8120741)

[( الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ) 12](#_Toc8120742)

[احادیث 13](#_Toc8120743)

[اہم نکات 14](#_Toc8120744)

[تحقیق مزید 14](#_Toc8120745)

[2 ( الْحَمْدُ للّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ) 16](#_Toc8120746)

[تشریح کلمات 16](#_Toc8120747)

[تفسیر آیات 16](#_Toc8120748)

[( الْحَمْدُ للّهِ ) 16](#_Toc8120749)

[( رَبِّ الْعَالَمِينَ ) 17](#_Toc8120750)

[اہم نکات 18](#_Toc8120751)

[۳ ( الرَّحْمـنِ الرَّحِيمِ ) 20](#_Toc8120752)

[تفسیر کلمات 20](#_Toc8120753)

[اہم نکات 20](#_Toc8120754)

[4- ( مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ) 21](#_Toc8120755)

[تشریح کلمات 21](#_Toc8120756)

[تفسیر آیات 21](#_Toc8120757)

[اہم نکات 22](#_Toc8120758)

[5- ( إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ) 23](#_Toc8120759)

[تفسیر آیا ت 23](#_Toc8120760)

[( إِيَّاكَ نَعْبُدُ ) 23](#_Toc8120761)

[عبادت کی تعریف 24](#_Toc8120762)

[اہم نکات 27](#_Toc8120763)

[6- ( اهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ ) 29](#_Toc8120764)

[تشریح کلمات 29](#_Toc8120765)

[تفسیر آیات 29](#_Toc8120766)

[اہم نکات 31](#_Toc8120767)

[7- ( صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ ) . 32](#_Toc8120768)

[تشریح کلمات 32](#_Toc8120769)

[تفسیر آیات 32](#_Toc8120770)

[اہم نکات 33](#_Toc8120771)

[حواله جات 34](#_Toc8120772)